Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توقع کے عین مطابق ہوتا تھا۔ اُس موقعہ پر اپنی قوت کا احساس کرکے اُس پہ ایک سرور کی کیفیت طاری ہو گئی تھی، اَور یہ وہی سنسنی خیز لہر تھی جو آج اُس کے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ اب اُس کا دھیان موٹر سائیکل چلانے سے بھی ہٹ چُکا تھا اَور اُس کے اعضاء بھی قطعی جبلی طور پہ، ایک مشاق ڈرائیور کی مانند اُسے قابو میں رکھے ہُوئے تھے۔ وہ گزُرا ہوا وقت یاد کرتے کرتے اُس کے خیال کی ایک اَور پرت جاگی، اَور اُسے علم ہوا کہ یہ وہی کیفیت ہی تھی جو کسی عورت کے اجنبی بدن کو چھوتے وقت طاری ہوتی تھی، وہ انوکھا، نیا نویلا تازہ رَو احساس جو اُسے شادی کے پہلے روز سکینہ کے ساتھ، اَور پھر بعد میں اُس کھیت کے اَندر کنیز کے جسم پہ ہاتھ دھرتے ہُوئے ہوا تھا۔ وہی جذبہ اِس وقت اُسے اَپنے حلقے میں لئے ہُوئے تھا جب "بہ بانگ دُہل" کا پرچہ، جس کے اندر ایک چوکھٹے میں اُس کا نام درج تھا اَور جو آج صبح صبح شہر میں پھیل چُکا تھا، اُس کی جیب کے اَندر سے اُس کی چھاتی سے مس ہو رہا تھا اَور جس کے تصور سے ہی اُس کا سینہ سیرگی کے احساس سے بھر گیا تھا۔۔۔۔ ایک اَیسے تمّول کا احساس جیسے کوئی بیٹھے بیٹھے، کسی نہ کسی صورت میں صاحب ثروت ہو جائے، یا جیسے لمبی خُشک سالی کے بعد کھل کر بارش ہو، یا روزمرہ کے کام کرتے کرتے جیسے اچانک ایک روز آدمی کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔۔۔۔ ایک اَیسی امارت جو خُون کی گردش میں روانی بھی پیدا کرے اَور دِل کے ٹھہرنے کا سبب بھی ہو۔

دفتر میں خُوشی کے تہوار کا سا سماں تھا۔

"یہ تُمہاری جیب میں کیا ہے؟ تم نے خریدا ہے؟ یعنی پیسے خرچ کرکے خریدا ہے؟ کیوں؟" بدیع الزمان بولتا چلا گیا، "کیا ضرورت تھی؟ یہ سارا ڈھیر تُمہارا ہے، جتنے چاہو لے جاؤ، تُمہارا حلقہ احباب وسیع ہے، مزدُوروں میں بانٹ دو، ایک ہزار کا مزید پرنٹ آرڈر دیا ہے۔ نیچے جاکر ہر طرف فون کرکے آیا ہوں۔ سٹوری کا شور مچا ہُوا ہے۔ 'طلوع' والے لفٹ کر رہے ہیں، میں نے ڈیمانڈ کیا کہ 'بانگ دہل' کو کوٹ کریں اَور سٹوری حاشیئے میں لگائیں ورنہ ہرجانے کا دعویٰ کر دوں گا۔ دُوسرے اخبار بھی سُرخیاں لگا رہے ہیں۔ میں نے سب کو وارن کر دیا ہے۔ کوٹ کریں۔ اب پرچے کی شان دیکھنا، شمس، کل سب سے پہلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام نوٹ کرلو، صبح کے سارے اخبار میرے آنے سے پہلے میز پر موجُود ہوں، سن لیا؟ ٹیلیفون! ٹیلیفون کے بغیر پرچہ کیسے چل سکتا ہے، میں کب تک دُوسروں کے ٹیلیفون استعمال کرتا رہوں گا۔ اشتہار! اب تو اِشتہاروں کا وقت آیا ہے اَور ٹیلیفون نہیں ہے۔"

"ٹیلی فون لگوا کیوں نہیں لیتے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"واہ، تم تو ایسی بات کر رہے ہو جیسے فون دروازے میں رکھا ہے اَور میں جا کر اُسے اندر لے آؤں۔ میاں، ہزاروں روپے تو محکمے والے سیکیورٹی مانگتے ہیں، اور دس ہزار روپے رشوت۔ میں کہاں سے لاؤں؟ دو چیزیں،" بدیع الزمان نے دو اُنگلیاں ہوا میں اُٹھائیں، "دو چیزوں کے بغیر پرچہ نہیں چل سکتا۔ ایک ہیں اِشتہار۔ اَور اِشتہار ٹیلیفون کے بغیر نہیں ملتے، سو دُوسری چیز ہے ٹیلیفون۔ رابطے کے لئے ٹیلیفون چاہئے۔ یہ دو چیزیں میں کہاں سے لاؤں؟ کہاں سے لاؤں؟" وہ میز پہ ہاتھ مار کر بولا، جس سے اُس کی انگلیوں میں پھنسا ہُوا سگریٹ اُچھل کر فرش پر جا گرا۔ بدیع الزمان نے جھک کر سگریٹ اُٹھایا جس کا جلتا ہُوا سرا بھی الگ ہو گیا تھا۔ بدیع الزمان نے تیز تیز سانس کھینچتے ہُوئے، کئی چھوٹے چھوٹے کش لگا کر ایک چنگاری کو جو سگریٹ کے ساتھ اٹکی رہ گئی تھی، پھیلا کر دوبارہ سگریٹ جاری کرلیا، پھر ایک آخری لمبا کش کھینچ کر کئی سیکنڈ تک دھوئیں کو پھیپھڑوں میں جذب کرتا رہا، یہاں تک کہ اعجاز کا جی گھبرانے لگا۔ بدیع الزمان کی اُنگلیوں میں خفیف سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ ہیجان کی حالت میں تھا۔ اعجاز خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب تک پرچہ کسی وسیلے کے بغیر چل رہا تھا، بدیع الزمان خُوش دِلی اَور اطمینان سے بیٹھا کام کرتا رہا تھا۔ اب جبکہ ترقی کی اُمید لگی تھی، اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی، جیسے بارش کی دُعا مانگتے مانگتے سیلاب آ جائے اَور سب کچُھ بہا کر لے جائے۔

جو دُھواں اُس کے پھیپھڑوں سے بچ رہا تھا اُسے ناک کے راستے خارج کر کے بدیع الزمان بولا، "میرے تو گلے میں رسہ پڑا ہُوا ہے۔ وہ کہتے ہیں ناء کہ ایک رستہ بند ہو تو دو کھل جاتے ہیں۔ میرے ساتھ معاملہ دُوسرا ہے۔ ایک رستہ کھلتا ہے تو دو بند ہو جاتے ہیں۔ دو،" اُس نے دوبارہ دو اُنگلیاں اُونچی کر کے اعجاز کو دکھائیں، "یہ دو چیزیں اب ازحد ضروری ہیں۔ اِشتہار اَور ٹیلیفون۔ بلکہ پہلے ٹیلیفون اَور بعد میں اِشتہار۔"

"بدی ع صاحب،" شمس نے ڈرتے ڈرتے کہا، "بلکہ پہلے اِشتہار ہونے چاہئیں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جن کے پیسوں سے ٹیلیفون لگوا لیا جائے۔"

"ہاں ہاں، تجویز پیش کرنے میں تو تم ہشیار ہو، مگر کام کا طریقہ بھی تو بتاؤ۔ میں تمُھیں بتاتا ہوں۔ غور سے سنو۔ کل میں تم کو ایک لسٹ بنا کر دوں گا۔ نہیں نہیں، دو لسٹیں بناؤں گا۔ گریڈ ون کی اِشتہاری ایجنسیوں اَور سرکاری دفتروں کی لسٹ میرے لئے ہوگی۔ وہ میں لے کر چلوں گا۔ نمبر دو لسٹ تمُھیں دوں گا، دیکھوں ذرا تیری کارگزاری۔ ساتھ رائٹ اپ بھی ہوگا۔ اِشتہار حاصل کرنا ایک آرٹ ہے۔ خیر بہرحال۔" وہ اعجاز سے بولا، "کل پتا چلے گا، کل۔ صبح صبح آ جانا۔ ٹھیک ہے؟"

اگلے روز اعجاز دفتر میں پہنچا تو بدیع الزمان سب قومی اور مقامی اخبار میز پر پھیلائے بیٹھا تھا اور کمرہ دھوئیں سے بھرا تھا۔ اعجاز کو دیکھتے ہی وہ اُچھل کر کرسی سے اٹھا۔

"طلوع، نے صفحہ دو پہ اضلاعی خبروں میں رکھی ہے،" وہ اخبار دکھاتے ہُوئے بولا۔

اعجاز نے اُس کے ہاتھ سے اخبار لے کر خبر پڑھی۔ "چلو، ہماری سٹوری اکنالج تو کی ہے،"

"ہاں،" بدیع الزمان مایوسی سے بولا، گویا، 'بہ بانگ دہل، کا حوالہ دے کر اُنہوں نے بدیع الزمان سے ایک تنبیہی خط لکھنے کا موقع چھین لیا ہو،

"اور؟" اعجاز نے دُوسری اخباروں کی جانب اشارہ کر کے پُوچھا۔

"'صدائے وقت، نے پہلے صفحے پر چھاپی ہے۔"

"واہ،" اعجاز اخبار اُٹھا کر خبر پڑھنے لگا۔ "مگر اُنہوں نے ہمارا نام نہیں دیا۔ صرف 'ایک ہفت روزہ، لکھا ہے۔ اِس کا کیا مطلب ہوا؟"

بدیع الزمان پژمردگی سے سَر ہلا کر دھپ سے کُرسی پر بیٹھ گیا۔

"پھر؟" اعجاز نے سوال کیا۔

"پھر کیا۔ بھئی میجر اخبار ہے۔ پہلے صفحے پر خبر لگائی۔ بڑی بات ہے۔"

بدیع الزمان کا چہرہ دیکھ کر اعجاز پر ساری صورتِ حال واضح ہو گئی۔ 'طلوع، نے غیر اہم مقام پر خبر لگا کر 'بہ بانگ دہل، کا حوالہ دیا تھا۔ 'صدائے وقت، والے پہلے صفحے پر خبر چھاپ کر حوالہ گول کر گئے تھے۔ گویا بدیع الزمان پر دونوں دروازے قریب قریب بند ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکے تھے۔

"اور کسی اخبار نے نہیں لگائی؟"

"اُوں ہوں،" بدیع الزمان نے سر ہلا کر کہا اور سگریٹ سے نیا سگریٹ سلگایا۔ "مگر فکر کی کوئی بات نہیں،" وہ متفکر چہرے سے بولا۔ اعجاز آہستہ سے ہنس پڑا۔ بدیع الزمان نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "بھئی ی ی، نام نِکل گیا ہے، اور کیا چاہئے۔ سب کو علم ہے کہ 'ایک ہفت روزہ، جو لکھا گیا ہے، وہ 'بہ بانگ دہل" ہی ہے۔ لوگ اِتنے بے خبر نہیں ہیں۔ میں تُمہیں بتاتا ہوں، اِس وقت اگر یہاں پہ،" بدیع الزمان نے جوش میں آکر میز پر ہاتھ مارا، "ٹیلی فون ہوتا تو اِس کی گھنٹی صبح سے شام تک سانس لینے کے لئے نہ رکتی۔ ہائے، مجھے تو ٹیلیفون کی کمی نے مار دیا۔" پھر اُس نے مزاج کو قابو میں کر کے اپنے آپ کو تسلی دی۔ "انگریزی کے اخبارِ رسالے کچھ وقت لے کر خبر کو اُٹھاتے ہیں۔ ابھی دیکھتے جاؤ۔ اُن میں بھی آئے گی۔ اُن میں آئے گی۔ میں کہتا ہوں، فکر کی کیا بات ہے، کیا کوئی پرچہ ایسا ہے جس کا آٹھواں اِیشو، سُن رہے ہو، صرف آٹھواں ایشو،" وہ چیخ کر بولا، ایسا بامب شیل سکینڈل منظرِ عام پر لایا ہے؟ ہم نے جرنلزم کی تاریخ لکھی ہے۔ فکر کی کیا بات ہے؟" مگر خُوش ہونے کی بجائے وہ مزید غمگین ہو کر کُرسی کی پشت پہ ڈھے گیا۔ "خیر بہرحال میں آج اشتہاروں کے پیچھے جا رہا ہوں۔ جب پرچہ اُن کے سامنے رکھوں گا۔ اِن دو اخباروں کی خبریں دکھاؤں گا اور پرنٹ آرڈر کے بارے میں بتاؤں گا تو دیکھتا ہوں اِشتہار کیسے نہیں ملتے۔ تم دیکھتے جاؤ۔ دیکھتے جاؤ۔"

بدیع الزمان نے سگریٹ سے سگریٹ سلگایا تو اعجاز کو خیال آیا کہ اگر بدیع الزمان سگریٹ پینا ترک کر دے تو چھ آٹھ ماہ کے اندر ٹیلیفون کے پیسے نِکل سکتے تھے۔ مگر بدیع الزمان کی حالت دیکھ کر وہ خاموش رہا۔

رپورٹ کے پورے پانچ ہفتے کے بعد "بہ بانگ دُہل" کے پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر اور فیچر رائیٹر کو اِزمیر گھی انڈسٹریز کی جانب سے "دلاپانے" کا قانونی نوٹس وصول ہوا، جس کا متن یہ تھا۔

"جناب عالی، مئو کلم میسرز از میر گھی انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ نے مجھے اپنا وکیل مقرر کر کے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کو درج ذیل قانونی نوٹس دُوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۱۔ یہ کہ اخبار ہفتہ وار "بہ بانگ دُہل" میں مورخہ گیارہ ستمبر کو آپ نے ایک مضمون شائع کیا ہے جو ملک محمد اعجاز نامی شخص نے تحریر کیا ہے۔ جس میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ مؤکلم میسرز از میر گھی انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کی فیکٹری واقع جی ٹی روڈ بادامی باغ میں جو گھی تیار کیا جاتا ہے وہ محکمہ صحت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق تیار نہیں کیا جاتا۔ یہ الزام لگایا گیا ہے کہ گھی میں جو کیمیائی اجزاء قابل تلف ہیں مثلاً بدبودار مادے، نِکل دھات وغیرہ، وہ تلف نہیں کئے گئے اَور اِن اجزاء کی موجُودگی مضر صحت ہے اَور اِس کی وجہ سے بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ مضمون میں یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ مذکورہ اجزاء کیمیائی عمل کے ذریعے اِس لئے ختم نہیں کئے گئے کہ مؤکلم کو اِن کے اِتلاف پر آنے والا خرچہ نہ کرنا پڑے اَور اِس طرح مؤکلم کے منافع میں اضافہ ہو سکے۔ مضمون میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخبار کی تحقیق لبارٹری کی تجزیہ رپورٹ اَور ڈاکٹر کی رائے پر مبنی ہے۔ اَور یہ کہ مؤکلم کے مذکورہ گھی کی کھپت اُن علاقوں میں ہُوئی جہاں جہاں گھی جاتا ہے اَور بیماریاں پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔

۲۔ مضمون کی اشاعت سے مؤکلم کے گھی کے صارفین کی نظر میں گھی کی قدر و قیمت گر گئی ہے اور وہ خریدنے سے خائف ہیں اَور کھپت گر گئی ہے اَور آئندہ مزید گرنے کا خطرہ ہے۔

۳۔ یہ کہ آپ کے اخبار میں مذکورہ مضمون کی اِشاعت نہ صرف ذاتی طور پر بدنامی کا باعث ہوئی بلکہ مؤکل کو مالی طور پر شدید نقصان پہنچا ہے اَور آئندہ احتمال ہے۔ مضمون کی اشاعت سے مؤکلم کی قدر و عزت دوستوں احباب اَور تمام پبلک کی نظر میں کم ہو گئی ہے اس طرح اِن کی سماجی حیثیت بھی متاثر ہُوئی ہے۔

۴۔ یہ کہ آپ کے اخبار میں شائع کردہ مواد بے بنیاد اَور بلاجواز ہے۔ مؤکلم کی فیکٹری میں تیارہ کردہ گھی بالکل اُسی معیار کا ہے۔ جو معیار محکمہ صحت کی طرف سے اِس ضمن میں مقرر کیا ہُوا ہے۔ فیکٹری میں مستند کیمیائی ماہرین کام کرتے ہیں اَور گھی کی تیاری میں جو عناصر مضر ہوتے ہیں تلف کئے جاتے ہیں اَور اِس امر کی پوری احتیاط کی جاتی ہے کہ صارفین اِسے بلاخوف و خطر اِستعمال کر سکیں۔ اسی وجہ سے مؤکلم کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیار شدہ گھی صارفین کی نظر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اَور مؤکلم کا برانڈ ایک معتبر نام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ مضمون کی اشاعت سے مؤکلم کے تیار کردہ گھی کے برانڈ کی شہرت کو شدید نقصان پہنچا ہے۔

۵۔ یہ کہ مؤکلم کی ہدایت کے مطابق آپ اَپنے اخبار میں اُسی قدرنمایاں شہ سُرخیوں کے سَاتھ اپنے مذکورہ مضمون کے مندرجات کی تردید کریں اَور مؤکلم سے معافی نامہ اندر سہ یوم شائع کریں ورنہ مؤکلم آپ کے خلاف دعویٰ برائے وصولی مبلغ بیس لاکھ بمع ہرجہ و خرچہ مقدمہ دائر کرے گا۔ میاں اِنتظار حسین۔ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ۔ فین روڈ۔ لاہور۔"

اعجاز نے آنکھ کھولی تو سکینہ بولی، "ایک بندہ آیا بیٹھا ہے۔"

"کون ہے؟" اعجاز نے لیٹے لیٹے پُوچھا۔

"نام شمس بتاتا ہے۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"ہاں ہاں،" اعجاز نے کہا، "جانتا ہوں۔"

اعجاز باہر والے کمرے میں بیٹھے ہُوئے شمس سے علیک سلیک کر کے نہانے چلا گیا۔ سکینہ نے لسی کا گلاس شمس کے لئے باہر بھیجا۔ اعجاز نہا دھو کر ناشتہ کر رہا تھا کہ سکینہ نے پُوچھا، "کون ہے؟"

"اخبار کے دفتر کا لڑکا ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔"

"وہ اخبار جس میں تُمہارا نام آیا ہے؟"

"ہاں۔"

"کچھ ملا ملایا بھی کہ نہیں؟"

"ملنا ملانا کیا ہے۔ نام مشہور ہو گیا ہے اَور کیا چاہئے۔"

"نام سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو پہلے بھی تھا۔"

"اب سارے مُلک میں ہو گیا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو کیا ہُوا، کوئی وزیر تو نہیں بن جاؤ گے۔"

"خدا کا نام لے۔ وزیر بن گیا تو سب سے پہلے تجھے چھوڑ دوں گا" اعجاز ہنس کر بولا۔

"روٹی اَور ہے؟"

"آٹا گوندھنے والا ہے۔"

"تو زیادہ گوندھا کرنا۔"

"لڑکے بڑے ہو گئے ہیں، اللہ کے فضل سے گھوڑوں کی طرح کھاتے ہیں۔ میرا اَندازہ کبھی غلط ہو جاتا ہے۔ اب پھر وہی کُت خانہ شُروع ہو گیا ہے؟"

"کونسا کُت خانہ؟"

"سویرے سویرے بندے بلانے آ جاتے ہیں۔ سارا سارا دن شہر میں گزُارتے ہو۔ دو تین مہینے ہو گئے ہیں۔ نتیجہ کیا نِکلا، ایک اخبار میں نام آ گیا ہے۔"

"صرف نام نہیں، پورے چار صفحے میرے ہاتھ کے لکھے ہُوئے ہیں، سو دفعہ بتا چُکا ہوں۔"

"تصویر تو کوئی نہیں آئی،" سکینہ نے کہا۔

"ہمارے اخبار میں تصویریں نہیں ہوتیں۔"

"اخبار کے دفتر میں عورتیں کام کرتی ہیں۔ مجُھے خبر ہے۔ تم اُن کے پاس بیٹھے رہتے ہو؟"

"ہمارے اخبار میں عورتیں نہیں ہیں۔ صرف مرد ہیں۔"

"تُمہارا کیا پتا؟ پنج ذات والیوں تک سے تو تُمہارا کوئی پرہیز نہیں۔ فیشنی عورتوں کو دیکھ کے پتا نہیں کیا کرتے ہو گے۔"

"تُو تو غیر متعلق باتیں کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے۔"

"غیر متلک نہیں، یہ متلک بات ہے۔ تُمہارا کیا پتا۔"

"تیرے کِینے کی کوئی حد بھی ہے؟ اونٹ کا کینہ اَور ہاتھی کی یاداشت، تو جانوروں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ بڈھی ہو گئی ہے اَور مُڑ مُڑ کے وہی بات کرے جاتی ہے۔"

"تُم بڑے جوان ہو۔" سکینہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جوان ہوں،" اعجاز نے بدمزاجی سے جواب دیا۔ "سویرے سویرے مُنہ کا مزا خراب کر دیتی ہے۔" دُوسری عورت کا تذکرہ اب سکینہ کے لئے محض چھیڑ چھاڑ کا وسیلہ بن کر رہ گیا تھا۔ اُس کے چہرے پہ کوئی ناگواری نہ تھی، مگر وہ بولنے سے نہ رُکتی تھی۔ اعجاز نے جلدی سے کپڑے بدلے اَور شمس کو، جو بس پہ سوار ہو کر گاؤں تک پہنچا تھا، موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کر گھر سے روانہ ہو پڑا۔

"کیا معاملہ ہے؟" اُس نے موٹر سائیکل چلاتے ہُوئے پُوچھا۔

"مجھے کچُھ پتا نہیں۔ کل ایک دستی خط آیا تھا، سارا دِن بدی صاحب باہر ہی رہے۔ جاتے ہوئے مجھ سے کہہ گئے تھے کہ صبح آپ کو بلا کر لے آؤں۔"

جب دونوں دفتر پہنچے تو بدیع الزمان کے پاس دو آدمی بیٹھے تھے۔ دونوں بدیع الزمان کے ساتھ پُرجوش گفتگو میں مصروف تھے۔ اعجاز اَور شمس کے داخل ہونے پر اُن کی آوازیں دھیمی پڑ گئیں، گو باتوں کا جوش و خروش وَیسا ہی رہا۔ بدیع الزمان نے علیک سلیک کے بغیر ہی ایک کاغذ اَپنے سامنے سے اُٹھا کر اعجاز کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ایک نظر دیکھ کر ہی اعجاز کو پتا چل گیا کہ یہ "دلاپانے" کا نوٹس تھا۔ یونین کے کاموں میں اکثر اُسے اَیسے نوٹس وصول ہوتے رہے تھے۔ تحریر پڑھنے کے بعد اُس نے کاغذ میز پہ رکھ دیا اور دو آدمیوں کے ساتھ والی کُرسی پر نشست سنبھال لی۔

"ہمارے پاس ثبوت ہیں،" بدیع الزمان کہہ رہا تھا۔ سکہ بند، مکمل۔ یہ،" اُس نے چند کاغذ اُٹھا کر ہوا میں لہرائے۔ "ڈاکومنٹ پروف ہیں۔ انہیں کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ کیوں ملک اعجاز؟" اعجاز کا نام سن کر دونوں آدمی متوجہ ہو گئے۔

"یہ ملک محمد اعجاز صاحب ہیں،" بدیع الزمان نے تعارف کراتے ہُوئے کہا۔ "یہ رپورٹ کے رائیٹر ہیں۔" دونوں آدمیوں نے گہری شکی نظروں سے اعجاز کو دیکھا۔ وہ چپ بیٹھے رہے۔

"کیوں بھئی، کوئی عدالت ہمارے ڈاکومنٹس کو ماننے سے اِنکار کر سکتی ہے؟" بدیع الزمان نے اعجاز سے پُوچھا۔

"میرے خیال میں تو ہمارا کیس ہر طرح سے مضبوط ہے،" اعجاز نے کہا۔

"یہی بات خواجہ صاحب بھی کہتے ہیں،" بدیع الزمان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خواجہ معراج دین، میرے لیگل ایڈوائیزر۔"

"دیکھ بھائی بدی،" دو آدمیوں میں سے ایک بولا، "اِن وکیلوں کے چکر میں آ کر بڑے لوگوں نے نکسان اُٹھایا ہے۔ تجھے چاچے مسُود کا قصہ یاد نہیں رہا۔ اُس کی ساری جیداد وکیل کھا پی گئے تھے۔ یہ تیری میری وکالت کرتے ہیں، مگر اصل کے اَندر اِن کو صرف اَپنے پیسے سے مطلب ہوتا ہے۔"

"یہی تو ساری بات ہے،" بدیع الزمان نے دوبارہ زور سے میز پر ہاتھ مارا۔ "خواجہ صاحب ایک پیسہ فیس نہیں لے رہے۔ مفت مقدمہ لڑیں گے۔ یہی تو ساری بات ہے۔"

"اور تو عدالتوں کو بھی نہیں جانتا،" دُوسرا آدمی بولا، "آج کل کے ججوں کا کوئی اِعتبار نہیں۔ تو نے کوئی مکدّما بھگتا ہے؟"

بدیع الزمان جزبز ہو کر چند لحظے تک دونوں کا مُنہ دیکھتا رہا۔ دونوں آدمیوں کی آپس میں مشابہت تھی۔ اُنہوں نے سفید لٹھے کی شلوار قمیض کے سوٹ پہن رکھے تھے، اور گو وہ کرسیوں پر آگے جھُک کر بیٹھے تھے، اُن کے پیٹ قمیضوں کے اَندر سے نِکلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اُن کے چہروں پہ موٹے موٹے گال تھے، اَور مضبوط سیاہ بال تنگ ماتھوں پر ایک سیدھ میں نیچے تک اُگے ہُوئے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر اعجاز نے اندازہ کیا کہ دکانوں سے اُٹھ کر آئے تھے۔

"ملک اعجاز صاحب ٹریڈ یونین کے مشہور لیڈر رہ چکے ہیں،" بدیع الزمان نے کہا۔ "عدالتوں وغیرہ سے واقف ہیں۔"

"وہ اَور بات ہے،" پہلا آدمی جو مُستقِل پان چبا رہا تھا، بولا، "ساری یونین کی سپوٹ ہوتی ہے۔ عدالتیں جلوسوں کا سامنا نہیں کرتیں۔ وہ اَور بات ہے۔"

"اور بات کیسے ہے؟ یہ بھی عوام کا معاملہ ہے۔ ہم مقدمہ لڑیں گے اَور پرچے میں اسے عوامی اِیشو بنا کر پیش کریں گے۔ شمس، چائے بنا، کیا مُنہ دیکھ رہا ہے۔ ہماری اخبار نویسوں کی بھی یونین ہے۔ میں اُس کا ممبر ہوں۔"

"بدی، بدی، تُو تو سادہ آدمی ہے۔ ایک دفعہ مکدما عدالت میں پہنچ گیا تو اخبار میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ یہ کانون کی بات ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"قانون وانون کو چھوڑ یار سلیم۔ پریس آزاد ہے۔ بات کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ کیس کی بات کرنے کی ضرورت نہیں اور کئی اینگل ہیں۔ ہم اشاروں اشاروں میں آخر اسے عوام کے حقوق کے تحفظ کا ایشو بنا سکتے ہیں۔ کیوں اعجاز؟"

اعجاز نے ہولے سے سر ہلا دیا۔

"تو ضد کرتا ہے بدی،" دوسرا آدمی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا، "میری مان تو چپ کر کے اندر کے کسی ورکے پر تردید چھاپ دے۔ ملوں والے بھی بات بڑھانا نہیں چاہتے۔ بری خبر جتنی بھی چھوٹی ہو اچھی ہے، یہ اُن کی پالسی ہے۔ خاموش ہو جائیں گے۔ معاملہ ٹھپ کر دے۔ خواہ مخواہ پیسا برباد کرے گا۔"

"تجھے پیسے کی پڑی ہے، میری ساری زندگی کا یہ کام ہے۔"

"پیسا ہے تو زندگی بھی ہے بئی، پیسے کے بغیر زندگی کس کام کی۔"

"فکر نہ کرو وسیم بھائی، تیرا پیسہ کہیں نہیں جاتا۔ میں ذمہ دار ہوں،" بدیع الزمان نے کہا۔ دونوں آدمیوں نے چائے حلق میں انڈیلی اور اُٹھ کر کسی سے بات کئے بغیر دفتر سے نکل گئے۔

"کون تھے؟ اعجاز نے پوچھا۔

"میرے قرض خواہ تھے، بھڑوے سالے۔"

"قرض خواہ؟"

"اِن ہی سے پیسا لے کر تو پرچہ چلایا تھا۔"

"تمہارے رشتہ دار تھے؟"

"بتایا تو ہے۔ میرے سالے ہیں بھڑوے۔"

اعجاز ہنس پڑا۔ "کاروباری آدمی لگتے ہیں۔"

"ہاں۔ ایک کا کپڑے کا کاروبار ہے، دوسرے کا شیشے کا۔ پرچے میں دو ہی تو مفت میں اشتہار چھپ رہے ہیں۔ ایک کپڑے کا، دوسرا شیشے کا۔ بھئی میں ان کو بلیم نہیں کرتا۔ کاروباری ہیں، پیسا ان کا دین ہے۔ مذہبی آدمی ہیں، خدا کی راہ میں پیسا لگاتے ہیں، مگر کسی غریب کو دیتے ہیں تو کاپی میں لکھ لیتے ہیں۔ حج پہ جاتے ہیں تو پائی پائی کا حساب پہلے لگاتے ہیں، پھر واپس آ کر اسے چیک کرتے ہیں۔ میں ان سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہتا ہوں یہ کاپیاں اَپنے ساتھ قبر میں لے جانا، فرشتے آنے پائیوں کے حساب میں اَیسے پھنسیں گے کہ عذاب دُنیا بھُول جائیں گے۔" بدیع الزمان ہنسا، پھر راز داری سے آگے جھک کر، آواز دھیمی کرکے بولا، "ایک دُوسری بات ہے، مانو یا نہ مانو، عزیزداری وغیرہ سب ٹھیک ہے، مگر اَندر سے کاروباری طبقے کی ہمدردیاں ایک دُوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں۔ جب ایک پر وار ہوتا ہے تو دُوسرے کو فکر پڑ جاتی ہے کہ آگے اُس کی باری ہے۔ میں نے اِن کی جیب سے پیسا نکلوا تو لیا، نکلوانے کے لئے کیا کیا کسب کرنے پڑے، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مگر اب انہیں جان کے لالے پڑے ہُوئے ہیں کہ اِن کا پیسا غرق ہو جائے گا۔ میری بیوی کی ناک میں دم کیا ہُوا ہے۔ اُس نے میرا ٹینٹوا دبایا ہُوا ہے۔ مگر میں بھی چھوڑنے والا نہیں۔ خواجہ صاحب کا کہنا ہے کہ یہ اوپن اینڈ شٹ کیس ہے۔ عوام کا درد رکھنے والے آدمی ہیں، کوئی فیس نہیں لے رہے۔ فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا تو کیس کا خرچہ بھی ازمیر والوں پر پڑ جائے گا۔ اَور جو پبلسٹی ہو گی وہ الگ۔ تم دیکھنا، ایک ایک اخبار اِس کی تفصیل لکھے گا۔ "بہ بانگ دُہل" اگلے پندرہ سال کے لئے اسٹیبلش ہو جائے گا۔ سرکولیشن فش!" بدیع الزمان نے ہاتھ سے ہوا میں آتشبازی چلائی، "فش! کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔۔۔۔"

آخر بدیع الزمان نے اَپنے قرض خواہوں سے بغاوت کرکے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 17

جب دُشمن ملک سے فوجیں واپس ہُوئیں اَور سرفراز نے ارضِ وطن پہ قدم رکھا تو گھر والوں سے ملنے ملانے کے لئے دو مہینے کی کمپلسری لیو ملی۔ گاؤں جانے سے پہلے سرفراز نسیمہ سے ملنے اُس کے باپ کے گھر پہنچا۔

بریگیڈیئر صاحب بلند بانگ مزاج اَور خشمناک مونچھیں رکھنے کے باوجُود سرفراز سے گلے ملتے ہُوئے آنکھیں پرنم کیے بغیر نہ رہ سکے۔ مگر نسیمہ اُس ہڈیوں کے ڈھانچے کو خاموشی سے آنکھیں کھولے دیکھتی رہی۔

"کیا دیکھ رہی ہو،" بریگیڈیئر صاحب رومال سے آنکھیں خُشک کر کے گونجدار آواز میں بولے، "کھانے پکواؤ۔ چکن سوپ، بیف شوربہ۔ وی وِل فیٹن یو اِن نو ٹائم،" اُنھوں نے سرفراز کے کندے پہ ایک دھپ جمایا۔ سرفراز آہستہ سے مسکرایا۔

"پاپا۔۔۔" نسیمہ سرفراز پہ نظریں جمائے دُکھ سے بولی، "آپ کو سب پتا تھا؟"

"تو کیا میں تجھے سب حال بتا دیتا" کہ پی او ڈبلیو کو کیسے رکھا جاتا ہے، کیا کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ تم دِل کو روگ لگا کے بیٹھ جاتیں اَور اپنی صحت خراب کر لیتیں۔ ایک پالیسی کے انڈر سب کام کیے جاتے ہیں۔ کیوں بھئی سرفراز، میں نے کیا غلط کیا؟"

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا سر۔"

"ناؤ ڈونٹ یو وری اباؤٹ اے تھنگ بوائے۔ اِیٹ اَینڈ ریسٹ۔ اِیٹ اَینڈ ریسٹ۔ لیمب چاپس اینڈ واٹ ناٹ۔ بیفور یو نو یو وِل بی آن یور فیٹ۔"

"آئی ایم آن مائی فیٹ سر،" سرفراز نے ہنس کر کہا۔

"ویل ڈن، ویل ڈن،" بریگیڈیئر صاحب نے آہستہ سے سرفراز کے کندھے پر ایک اور دَھپ جمایا اَور فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہُوئے اُنہیں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔

نسیمہ اُن عورتوں میں سے نہ تھی جن سے کسی کمزوری کی توقع کی جا سکتی ہو۔ مگر اپنی حیرت پہ قابو پانا اُس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ دسمبر کی دُھوپ میں لان کے اَندر وہ سرفراز کے سامنے والی کُرسی پر بیٹھی تھی۔ باپ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھی اَور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھُولوں کی ایک کیاری پر نظر ڈال کر لوٹ آئی۔ واپسی پر وہ آ کر سرفراز کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اَور ڈرتے ڈرتے ہاتھ اُٹھا کر سرفراز کے سینے پر رکھا۔ سویٹر اَور قمیض کے نیچے سرفراز کی ہڈیوں پر اُس کا ہاتھ تھم تھم کے چلنے لگا، جیسے کسی خطرناک شے پہ پڑ رہا ہو۔ پسلیوں کے بیچ ہلکے ہلکے نشیب کو اُس کی اُنگلیوں کے پورے نرمی سے دبا کر محسُوس کر رہے تھے، گویا جِلد کی پائیداری کو پرکھ رہے ہوں۔ سرفراز کے جسم میں جھرجھری پیدا ہُوئی۔ اُسے محسُوس ہوا جیسے دو سال نہیں بلکہ پچاس برس کے بعد ایک نرم ہاتھ اُس کے بدن پہ آ کر ٹھہرا تھا۔ ساتھ ہی، اُس کے ہاتھ میں جہاں اپنائیت کا لمس ہونا چاہیئے تھا، وہاں اجنبیت کا احساس تھا۔

"تُم نے اَپنا پرفیوم نہیں بدلا،" سرفراز نے کہا۔

"اونہوں،" نسیمہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہُوئے سَر ہلا کر جواب دیا۔

یہ اجنبیت، سرفراز نے سوچا، نسیمہ کے ہاتھ کی ہے یا کہ میرے بدن کی؟

"سری،" نسیمہ نے چھوٹی سی آواز میں پُوچھا، "کیا ہُوا تھا؟"

"سرفراز کوشش کر کے ہنسا۔ "جیسے تُمہارے پاپا نے کہا، اِٹ وازنٹ اے فورسٹار ہوٹل۔"

"میری ایک دوست کے انکل بھی واپس آئے ہیں،" نسیمہ بولی۔ "وہ ٹھیک ٹھاک دِکھائی دیتے ہیں۔"

"اُنہوں نے ڈاڑھی بڑھالی ہُوئی ہے اَور اُن کے ماتھے پہ بیضوی شکل کا سیاہ چٹاخ پڑا ہُوا ہے؟" سرفراز نے پُوچھا۔

"ہاں۔ تُمہیں کیسے پتا ہے؟ اُنہیں جانتے ہو؟"

"نہیں۔ مگر اَیسے لوگ ٹھیک ٹھاک رہے ہیں۔"

"یعنی جو لوگ نمازیں پڑھنے اَور خدا کو یاد کرنے لگے تھے؟"

"ہاں۔"

"تُم بھی تو اَیسا کر سکتے تھے،" نسیمہ نے کہا۔

"کر تو سکتا تھا،" سرفراز نے کہا اَور خاموش رہا۔ نسیمہ اُسے نیم سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولا "یاد ہے ایک دفعہ میں نے پُوچھا تھا کہ تم بار بار ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُٹھا کر ماتھے سے بال کیوں پرے کرتی ہو؟"

"یاد ہے۔"

"تُم نے کہا تھا کہ یہ تُمہاری عادت ہے۔"

"ہاں۔"

"بس سمجھ لو کہ میری عادت نہیں بن سکی۔"

نسیمہ ہنسی۔ "یہ تو عجیب نیگیٹو دلیل ہے۔"

"ہماری زندگی ہی نیگیٹو تھی۔" سرفراز نے کہا۔ "اس کے علاوہ ہمیں فرصت ہی کہاں ملتی تھی؟"

"کیا کرنے سے؟"

"کھانے کے وقت کا اِنتظار کرنے سے۔"

"اچھا؟ کھانا کیا بہت اچھا ملتا تھا؟"

"دودھ، دہی، انڈے، مکھن، چکن بریانی۔"

"نہیں بھئی سچ سچ بتاؤ۔"

"کبھی کبھی دال روٹی مِل جاتی تھی۔ نو لیمب چاپس اَینڈ واٹ ناٹ۔"

دونوں نے ہنسنے کی سعی کی۔

"اور کیا کرتے رہتے تھے؟"

"باتیں۔"

"کیا باتیں؟"

"فرار کی سکیمیں بناتے رہتے تھے۔"

"ہائے، یہ تو بڑا رسکی کام نہیں تھا؟"

"رسکی تو تھا۔ مگر پی اَور ڈبلیو کو یہ حق دیا گیا ہے کہ جیسے وہ ملک کی حفاظت کے لئے جان لڑا دیتا ہے، اِسی طرح دُشمن کی قید سے نِکل بھاگنے کی حتی الوسع کوشش کرتا رہے خواہ اُسے موت کا سامنا کرنا پڑے۔ سروس کی عزت رکھنے کی خاطر یہ اُس کا فرض بھی ہے۔"

"اگر ناکام ہو جائے تو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو اُسے سزا ملتی ہے۔"

"ظاہر ہے ناکام ہی ہو گئے ہو گے۔"

"ہاں۔"

"پھر تُمہیں سزا مِلی تھی؟"

"ملی تھی۔"

"ہائے۔ بتاؤ کیا ہُوا تھا؟"

"یہ لمبی کہانی ہے، پھر کبھی بتاؤں گا۔ سنو، میں بھی دراصل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ میں نے بھیس بدلا ہُوا ہے۔"

دونوں ذرا کھل کر ہنسے۔ سرفراز نے نسیمہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ جیسے ہی اُس کی ہتھیلی کندھے سے مس ہُوئی، سرفراز کے اَندر ایک ایسا ردِ عمل ہوا کہ وہ ہاتھ کھینچتے کھینچتے رہ گیا۔ ہاتھ کے نیچے اُس نے بے معلوم طور پہ نسیمہ کی جلد کو سکڑتے ہُوئے محسُوس کیا۔ جب سے وہ کیمپ 98 سے آزاد ہو کر گھر کے راستے پہ چلا تھا اُس کے دِل میں سینکڑوں باتوں کا خیال آتا رہا تھا۔ یہ اَیسے ہو گا وہ وَیسے ہو گا کہاں ہو گا کیوں ہو گا کیونکر ہو گا۔ اُس کے ذہن میں خیالات کی، وسوسوں اَور اندیشوں کی دوڑ لگی رہی تھی۔ آج جب وہ گھر پہنچ گیا تھا تو وہ سارے کے سارے معاملات نہایت صفائی کے ساتھ نِکل کر ایک طرف کو ہو گئے تھے۔ صرف ایک بات جس کا اُسے کبھی تردد نہ ہوا تھا، اس پہ آ کر وہ اٹک چُکا تھا۔ اُس کے خواب و خیال میں کبھی نہ آیا تھا کہ اُس کے اَور نسیمہ کے درمیان بیگانگی کا بال تک بھی آ سکتا تھا۔ دو سال کی دوری کے دوران نسیمہ کے تصور سے ہی اُس کی بوٹی بوٹی پھڑک اُٹھتی تھی۔ پھر ایکا ایکی یہ کیا ہو گیا تھا؟ اب وہ نسیمہ سے چند انچ کے فاصلے پہ بیٹھا تھا، مگر یُوں جیسے میلوں دُور ہو۔ نسیمہ گو اُس کی آنکھوں کے قریب تھی مگر اُس کی نظر سے دُور ہو گئی تھی۔ آخر وہیں بیٹھے بیٹھے، چند سیکنڈ کے اَندر اُسے احساس ہوا کہ انسانوں کے درمیان وقت کی، فاصلے کی اَور اکیلے پن کی اجنبیت کس درجہ آسانی سے حائل ہو جاتی تھی---- وہ تصور کہ سامنا ہوتے ہی دونوں ایک دُوسرے میں سما جائیں گے، کس قدر غلط ثابت ہوا تھا، کہ اب نئے سرے سے ایک دُوسرے کی قربت حاصل کرنے کی سعی درپیش تھی، گویا دونوں گو واقف کار ہوں مگر کچھ دُور سے مِل رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں اَور بیچ میں رکاوٹ کھڑی ہو۔ اِس وقت سرفراز میں اِتنی توانائی نہ تھی کہ اُس رکاوٹ کو عبور کرنے کی ہمت کرتا۔ اُس کا جی بڑے زور سے چاہنے لگا کہ کاش وہ دونوں تعلیم اَور ایک ذہن اَور ایک روح رکھنے والے اِنسان ہونے کی بجائے جنگل کے دو جانور ہوتے تو اِن رکاوٹوں سے شاید پالا نہ پڑتا۔

"شبو شام کو آئے گا" نسیمہ نے کہا۔ اُس کی آواز میں تناؤ تھا۔

"ہاں،" سرفراز نے کہا، "تمہارے ایک خط سے اُس کی تبدیلیوں کی خبر ملی تھی۔ پولیس کی نوکری اُسے کیسی لگی؟"

"خوش ہے،" نسیمہ نے مختصراً کہا۔

"بریگیڈیئر صاحب نے وائیر پُلنگ کی ہوگی۔"

"پاپا تو تمہیں پتا ہے اِن باتوں سے کتنا گھبراتے ہیں۔ مگر آخر میں اُنہیں اُٹھ کر لوگوں سے کہنا ہی پڑا۔"

"یہ آرڈر تو ٹاپ سے آیا ہوگا۔"

"ہاں۔ سی۔ ایم۔ ایل۔ اے۔"

"ہوں ں ں!" سرفراز نے حیرت سے بھویں اُٹھا کر کہا۔

"یہ شاید زندگی میں پہلی بار اُنہوں نے کسی کی سفارش وغیرہ کا کام کیا ہے۔ پاپا کے کانٹکٹ تو ایسے ہیں کہ چاہتے تو چار بزنسوں کے مالک ہو سکتے تھے۔ سب بڑے بڑے جنرل، کور کمانڈر وغیرہ اِن کے گروپ کے ہیں۔ انکل شبیر کو دیکھو، اِن کے ساتھ ہی ریٹائر ہُوئے تھے۔ اب آرمز ٹریڈنگ کر رہے ہیں۔"

"آرمز ٹریڈنگ؟"

"بالکل لیگل۔ آرمی کو سپلائی کرتے ہیں، مڈل مین کی حیثیت سے کمیشن لیتے ہیں۔ کروڑ پتی ہو گئے ہیں۔ پاپا تو اَپنے لئے کچھ کرتے ہی نہیں۔"

"بس ہنستے کھیلتے ہیں اَینڈ واٹ ناٹ۔"

"ڈونٹ میک فن آف مائی پاپا،" نسیمہ مصنوعی غصّے سے بولی۔

اب دونوں کے درمیان تنی ہُوئی فضا قدرے ڈھیلی پڑنی شُروع ہو گئی تھی۔

"اور اَپنے شہر میں ہی اپوائنٹمنٹ بھی کرا لی۔" سرفراز نے کہا۔ "یہ کمال ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک سال تو سرحد میں شب قدر کوئی جگہ ہے وہاں پہ رہا" نسیمہ نے بتایا۔ "اب کہ کہلوا کر یہاں پہ آیا ہے۔"

"شرفی سے ملاقات ہوتی ہے؟"

"ملاقات!" نسیمہ طنز سے بولی۔ "وہ تو رہتا ہی یہاں ہے۔ اگست سے اُس کی پوسٹنگ کھاریاں میں ہو گئی ہے۔ ہر ویک اینڈ پر آ دھمکتا ہے۔ تُمہیں تو چھٹی نہیں ملا کرتی تھی۔ شرفی کی حرکتوں سے معلوم ہوتا ہے آپ لوگوں کو کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔"

"بکرے کو نہیں ہوتا" سرفراز نے ہنس کر کہا۔

"کیوں؟"

"بس، اَپنا اپنا وطیرہ ہے۔ مُجھے لگتا ہے میجر بن کر بیٹھا رہے گا۔ افسوس کی بات ہے۔ آدمی بڑا کھرا ہے۔ اُسے میرے آنے کی خبر ہے؟"

"خبر؟ تم تو جب انڈیا سے چلے ہو اُس وقت سے یہ لوگ تُمہاری پراگریس کا گراف بنا رہے ہیں۔"

"پھر آیا کیوں نہیں؟"

"کہتا تھا دیر سے آؤں گا۔"

سرفراز نے نسیمہ کا چہرہ سُرخ ہوتا ہُوا دیکھا تو دفعتاً اُس کے فہم میں یہ بات آ گئی کہ سب لوگ اُن دونوں کو اکیلے میں ملنے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ نسیمہ کی جانب پیش قدمی کے خیال سے سرفراز کے دِل میں ایک عجیب سے مزاحمت پیدا ہونے لگی---- ایک ہچکچاہٹ، ایک موہوم سا ڈر، کوئی نامعلوم سا خوف! وہ دو برس کا اشتیاق کہاں گیا، اُس نے سوچا؟ کیا بات کروں، اُس نے ذہن پر زور دے کر سوچا؟

"پکی بات ہے؟" اُس نے پُوچھا۔

"ہنہ؟" نسیمہ نے چونک کر پُوچھا۔

"کہ بکرا آئے گا؟"

"کہتا تو تھا" نسیمہ نے بے دِلی سے کہا۔

"سرفراز نے نسیمہ کے کندھے سے اَپنا سما ہُوا ہاتھ اُٹھا لیا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سرفراز نے پُوچھا۔ "واک کے لئے چلتی ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں؟"

"یہیں سڑک پہ۔"

نسیمہ نے اُس کی جانب مُنہ موڑ کر عجیب سی سُرخ سُرخ نظروں سے اُسے دیکھا جیسے پپوٹوں کے عقب میں آنسوؤں پر بند باندھ کے بیٹھی ہو۔

"چلو،" وہ بولی۔

سڑک کے کنارے خاموشی سے ٹہلتے ہُوئے دونوں کچھ دُور تک چلے گئے۔ پھر پلٹ آئے۔ "تمُہارے نوکری کیسی جا رہی ہے؟" سرفراز نے پُوچھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تُم پی۔ ایچ۔ ڈی نہیں کر رہیں؟"

"کر رہی ہوں۔"

"ساتھ ساتھ پڑھاتی بھی ہو؟"

"ہاں۔۔۔۔ سری؟"

"ہوں،" سرفراز نے مُنہ کھولے بغیر حلق سے آواز پیدا کی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچُھ بھی نہیں۔"

"تُم چپ ہو۔"

"چپ نہیں ہوں، باتیں کر رہا ہوں۔"

"مگر اُوپر اُوپر کی باتیں کر رہے ہو۔"

"بھئی ابھی ابھی تو آیا ہوں۔ تھوڑی دیر انتظار کرو تو بولنے لگوں گا۔"

"سری؟"

"ہوں۔"

"وہاں کیا ہُوا تھا، بتاتے کیوں نہیں؟"

"کیا بتاؤں؟"

"کھانے کو نہیں ملتا تھا؟"

"ملتا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا کھاتے تھے؟"

"دال روٹی۔"

"ہر روز؟"

"ہفتے میں دو دِن گوشت ملتا تھا۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"پھر تُمھاری یہ صورت کیسے ہو گئی؟"

"جی نہیں لگتا تھا" سرفراز نے کہا۔

"تُم نے مجُھے بتایا کیوں نہیں؟"

"بتایا تو تھا۔"

"کب؟"

"خطوں میں۔"

"جھوٹ،" نسیمہ نے ہَولے سے چیخ کر کہا۔ "تُم ہمیشہ لکھتے تھے کہ بالکل ٹھیک ہو، کوئی تکلیف نہیں، خُوب اچھی طرح دیکھ بھال ہو رہی ہے۔"

"اگر لکھتا کہ جی نہیں لگتا تو تم کیا کر لیتیں؟"

"کم از کم حقیقت تو معلوم ہو جاتی۔"

"میں جہاں پہ تھا وہاں حقیقت موجُود نہیں تھی۔ میں تُمھیں تفصیل سے خط لکھتا رہا ہوں۔"

"کب؟"

"جھوٹ موٹ کے۔"

"جھوٹ موٹ کے کیسے؟"

"پنسل کا دُوسرا سرا ہوتا ہے ناء جس کا سکہ بند ہوتا ہے، اُس سے لکھتا تھا۔"

"ارے جاؤ، گپیں نہ ہانکو۔"

"سچ مُچ ۔ لفظوں کی شکل نہیں بنتی تھی، مگر اُن کا عکس کاغذ پہ موجُود ہوتا تھا۔ یہ وفاداری کا ٹیسٹ ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کیسے؟"

"جو عورتیں وفادار ہوتی ہیں وہ پڑھ لیتی ہے۔ جو بے وفا ہوتی ہیں، نہیں پڑھ سکتیں۔"

"اب تم نے فضول باتیں شروع کر دی ہیں۔"

"تم ہی تو کہتی ہو کہ باتیں نہیں کرتا۔"

"ایسی باتیں کرنے کو نہیں کہتی۔ چلو بتاؤ، کیا لکھا کرتے تھے۔"

واپسی پر لان میں داخل ہو کر وہ کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ اب نسیمہ سرفراز کے سامنے ایک دوسری کرسی پر بیٹھی تھی۔

"بتاؤ ناء" نسیمہ نے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں پُرسکون سرور کی لہر تھی، جس سے اُس کے پپوٹے بھاری اور لب نیم وا تھے، گویا جس کے جواب کی وہ طلبگار تھی اُس سے زیادہ اہم سوال اُس کے اندر پوشیدہ ہو۔

سرفراز نے سر اُٹھا کر دیکھا اور ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ سرفراز کے مقابل سب سے دُور والی کرسی پہ بیٹھی تھی اور لمحے بھر کے لئے سرفراز کی نظر دھندلا گئی تھی۔ سرفراز کو اُس کے نقش و نگار صرف سرسری، مانوس شکل و صورت میں ہی نظر آ رہے تھے، کوئی باریکی دِکھائی نہ دے رہی تھی۔ اُس نے کوشش کی کہ نسیمہ کے چہرے کو اپنی آنکھوں کے قریب لا کر دیکھے، مگر وہ اُسی جگہ پہ رہا جہاں پہ ٹھہرا تھا۔ اِن دونوں کے درمیان جو چند گز کا فاصلہ تھا وہ قابل حمل و نقل نہ رہا تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟

اُس وقت سرفراز کو پہلی بار یقین کے ساتھ اِس بات کا علم ہوا کہ وہ اپنی نگاہ کی لچک کو کھو چُکا تھا، وہ اہلیت جو بچپن سے ایک اچھوتے راز کی مانند اُس کے اندر موجود رہی تھی، اب غائب ہو چکی تھی۔ اب فاصلے مقرر اور متعین تھے۔ اُس نے یاد کرنے کی کوشش کی کب اور کیسے اور کس مقام پر اُس کی یہ قوت ختم ہوئی تھی، مگر وہ اُس مقام کو سوچ کی گرفت میں نہ لا سکا۔ اب نسیمہ ایک نپے تلے فاصلے پر اپنا معمول کا ٹھوس وُجود لئے بیٹھی تھی، جس کا سوال "بتاؤ ناء" سرفراز کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ مگر سرفراز کا ذہن اِس وقت کیمپ 98 سے دُور اُن مختلف کیفیات میں اُلجھا ہُوا تھا جن سے نسیمہ کے ہمراہ اُس کا گزُر ہوا تھا۔ اول اول ایک دُور کی، لاحاصل کشش، پھر محبوبہ، اُس کے بعد منگیتر، پھر دو برس کی